حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

اخلاص ومحبت کا ایک مرکز

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

زندگی اور مختلف طبقات کا وسیع مطالعہ وتجربہ

حکمت الٰہی نے حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کی تعلیم وتربیت کا اس طرح انتظام کیا تھا کہ اُن کی شعوری زندگی کا معتدبہ اور طویل حصہ مختلف ماحول اور مسلمانوں کی مختلف العقائد مذہبی جماعتوں اور طبقوں میں گذرا تھا، انھوں نے ایک ایسے دینی ماحول میں آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا جو زمانہ حاضر کے اثرات اور جدید تعلیم کے خیالات سے دُور تھا، مگر کبھی کبھی کسی روزن سے باہر کی آزاد خیالی کے جھونکے آجاتے تھے اور ان کی سلیم لیکن حساس وذہین طبیعت کی سطح پر تموج پیدا کردیتے تھے، پھر حکمت الٰہی (جس کی مصلحتوں کو کوئی نہیں جانتا) آپ کو قادیان لے گئی جو اس وقت ایک ایسی نئی تحریک اور دعوت کا مرکز تھا جو نئی بنیادوں پر ایک نئی ملت کی تاسیس کررہی تھی اور جس کو جمہور اہل اسلام اور سواد اعظم سے بنیادی اختلاف تھا اور وہ ذہنی طور پر بے چین اور باغی عناصر کا ملجاو ماویٰ بنا ہوا تھا، وہاں انھوں نے اس تحریک کے بانی (مرزا قادیانی) اور اُس کے سب سے بڑے ترجمان اور وکیل (حکیم نورالدین) سے ملاقات کی اور اس نئی دینی ریاست اور پیشوائی کے اندرونی حالات دیکھے، پھر ہندوستان کے مختلف دینی وعلمی مرکزوں اور مشہور درس گاہوں میں رہ کر علماء کی حریفانہ کشمکش، جذبۂ رقابت، تکفیر وتفسیق کے مشغلے، اہل علم کا علمی پندار اور نخوت، اساتذہ کا معقولات میں توغل، مصلحین میں اپنی اصلاح، نفسانی امراض اور اخلاق رذیلہ کے علاج و استیصال سے غفلت کے مناظر اور نمونے دیکھے۔

اس دوران میں مسلمانوں کی اصلاح وترقی کی کئی تحریکیں پیدا ہوئیں لیکن آندھی پانی کی طرح آئیں اور آندھی پانی کی طرح نکل گئیں، ان تحریکوں کے قائدین اور کارکنوں میں جذبات کی افسردگی، اخلاق کی پستی، تعلقات کی خرابی اور اپنی اصلاح نہ ہونے کے مفاسد اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ان تحریکوں کے شان دار آغاز کے ساتھ ان کا حسرت ناک انجام بھی مشاہدہ فرمایا۔

باہر کا انتشار اندر کے انتشار کا نتیجہ

رائے پور کے زمانہ قیام میں تحریک خلافت کا عروج بھی دیکھا جو جدید ہندوستان کی سب سے عظیم، سب سے ہمہ گیر اور سب سے طاقتور، نیم دینی، نیم سیاسی تحریک تھی، اس تحریک کو نہ صرف قریب سے دیکھنے کا موقع ملا بلکہ اس

کے رازہائے سربستہ اوراس کے منصوبوں سے واقفیت کا موقع بھی ملا۔ پھر حضرت نے (شیخ الہند کی وفات کے بعد) اس تحریک کا زوال، اس کے قائدین اور کارکنوں میں انتشار، مخصوص حضرات کو چھوڑ کر تحریک کے رہنماؤں میں اخلاص وتربیت کی کمی، رضا کاروں اور کارکنوں میں نظم واطاعت کا فقدان، عوام میں اعتماد وانقیاد کی اور منتظمین وذمہ داروں میں امانت ودیانت کی کمی محسوس فرمائی اوراس کے شکوے سنے اور آپ کی حقیقت رس طبیعت نے نتیجہ نکال لیا اوراس کو ذہن کے امانت خانہ میں محفوظ کرلیا کہ باہر کا انتشار اندر کے انتشار اور خلا کا نتیجہ ہے۔

صفیں کج، دل پریشاں سجدہ بے ذوق کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

قلب کا خلا اور بگاڑ

آپ نے یہ بھی محسوس کرلیا کہ عوام میں انتشار واضطراب قیادت کی کمزوری کی وجہ سے ہے اور قیادت کی کمزوری، قائدین کی عدم تربیت اور سوزِ دروں کی کمی وجہ سے ہے، عوام کا قلب قائد ہیں لیکن خود قائدین کا قلب اپنی جگہ سے ہٹا ہوا اور ایمان ویقین اور عشق وسوز کے بجائے حُبِّ دنیا اور حُبِّ جاہ سے بھرا ہوا ہے۔

میر سپاہ ناسزا لشکریاں شکستہ صف

اپنے وطن پنجاب میں مشائخ اور اہل خانقاہ کو دیکھا کہ انھوں نے بھی (الا ماشاء اللہ) متاع درد اور دعائے دل تقسیم کرنے کے بجائے اپنی مشیخت کی دکانیں سجا رکھی ہیں، اب وہاں بھی اصلاح وتربیت نفس اور اخلاص وللّٰہیت کی دولت ملنے کے بجائے نفس کو غذا اور عقل بہانہ جو کو دنیا طلبی کا حیلہ اور سند ملتی ہے۔ واعظین ومقررین کی شیوہ بیانی اور فصاحت وبلاغت بھی سُنی اور مصنفین اور اہل قلم کے ہاں معلومات کی فراوانی اور انشاء پردازی کا زور بھی دیکھا لیکن یہاں بھی اخلاص کی کمی، عمل کی کوتاہی اور درد وسوز کے فقدان کی وجہ سے ان کے ذریعہ سے عوام کی بہت کم اصلاح اور انقلاب حال ہوتا دیکھا، چودھویں صدی کے وسط کا یہ زمانہ ہندوستان میں دینی خطابت کے انتہائی عروج وترقی کا دور ہے، لیکن زندگی کا کاروانِ سست جس خواب گراں میں مدہوش یا جس غلط رُخ پر رواں دواں تھا اُس میں کوئی تغیر نہیں، کچھ عرصہ کی بات ہے کہ حضرت جگر مرادآبادی مرحوم نے حضرت کو اپنی ایک غزل سُنائی، جب وہ غزل کے اس شعر تک پہنچے تو حضرت نے بڑی تحسین فرمائی، یہ ہندوستان کے واعظانہ حلقہ کی صحیح تصویر ہے۔

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سُرورِ عشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

اخلاص کی کمی اور اخلاق کا فساد

مسلمانوں کے حالات کے اس وسیع مطالعہ اور اپنی زندگی کے اس طویل تجربہ نے آپ کو اس نتیجہ پر پہنچادیا اور آپ کا یہ یقین اور عقیدہ بن گیا کہ مسلمانوں کی پوری زندگی اوراس کے مختلف شعبوں کے فساد کا اصل سبب اخلاص و اخلاق کا پیدا کرنا ہے اوراس کا سب سے مؤثر ذریعہ محبت ہے اوراس کا ذریعہ ذکر وصحبت ہے۔

اس اخلاص اور محبت سے ہر دینی کام اور ہر اصلاحی کوشش میں جان پڑتی ہے اور وہ زندہ اور طاقت ور بنتا ہے، اسی سے عبادات میں روحانیت، علم میں نورانیت، تعلیم وتدریس میں برکت وقوت، وعظ ارشاد میں تاثیر، تبلیغ ودعوت میں قبولیت وقوت، تصنیف وتالیف میں استواری، جماعتوں میں اتحاد، افراد میں ایثار ومحبت پیدا ہوتی ہے، غرض پوری زندگی کی چول اپنی جگہ آجاتی ہے اور ہر طرح کا ضعف اور انتشار ختم ہوجاتا ہے۔ الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله، اذا فسدت فسدالجسد کله الا وهی القلب۔

اسی طرح اخلاق کی درستی کے بغیر کوئی انفرادی زندگی متوازن اور کامیاب اور کوئی اجتماعی کوشش بارآور اور نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی، آپ کے نزدیک ذکروشغل، صحبتِ مشائخ اور مجاہدات وریاضات کا بڑا مقصد اور ثمرہ اخلاق کی اصلاح، صفات رذیلہ کا ازالہ اور صحیح معنی میں تزکیۂ نفس ہے، محض ذکراذکار کافی نہیں، اخلاق کی اصلاح ضروری ہے۔ ایک روز ایک صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے جو ایک موقع پر مغلوب الغضب ہوگئے تھے، فرمایا: ''اصلاح کے لیے فقط ذکر کافی نہیں، اخلاق کی درستگی کرنا چاہیے اور مشائخ سے اخلاق ذمیمہ کا علاج کرانا چاہیے، اسی واسطے زندہ مشائخ سے بیعت ہوتے ہیں کہ وہ اخلاق کی اصلاح کرتے ہیں۔ مثلاً غصہ ہے، یہ بہت بُرا مرض ہے، حدیثوں میں اس کی بہت مذمت فرمائی گئی ہے لیکن جب تک شیخ سے علاج نہیں ہوتا، یہ مرض نہیں جاتا''

لطائف ستہ کے انوار وآثار کا ذکر کرتے ہوئے ایک روز فرمایا: ''ان لطائف کے جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ قلب حرکت کرے یا انوار نظر آئیں بلکہ ان کے جاری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے علوم منکشف ہوجائیں، مثلاً قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہروقت اللہ تعالیٰ کی طرف خیال رہے، دل سے دنیا اور ہر چیز کی قیمت نکل جائے، اسی طرح لطیفۂ نفس جاری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ رذائل وصفات رذیلہ نکل جائیں اور صفات حمیدہ پیدا ہوجائیں اور انکساری وعاجزی پیدا ہوجائے، اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھیں، جب یہ حالت ہو تو سمجھے کہ کچھ چل پڑا ہے، اسی طرح دوسرے لطائف اس میں انوار کا نظر آنا کوئی ضروری نہیں، یہ تو محنت وریاضت سے غیر مسلموں کو بھی حاصل ہوجاتے ہیں۔

اخلاص واخلاق کی جہانگیری اور کیمیا گری

حضرت کے سامنے سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کی زندگی اور اُن کے کارنامے تھے، جن کے اخلاص واخلاق کی بدولت اسلام نصف صدی کے اندر نصف دنیا میں پھیل گیا اور ہر طرف خدا طلبی اور آخرت کوشی کی ہوا چل گئی، حضرت نے اُن کے حالات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا اور اپنی مجالس میں بار بار اُن کے اخلاص وایثار کے تذکرے فرماتے تھے۔ دور آخر میں آپ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اور ان کی جماعت کی تاریخ کا بڑے ذوق وشوق سے مطالعہ فرمایا، فرماتے تھے کہ ان کے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس دور میں صحابۂ کرام کا نمونہ تھے، وہی رضائے الٰہی کی دُھن، وہی شہادت کا شوق، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی ایثار ومحبت اور قربانی کا جذبہ۔

پھر آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خادم حضرت خاں صاحب (عبدالرحمٰن

خاں) کی تبلیغ وصحبت کے اثرات دیکھے کہ کس طرح وہ دشمن کو دوست، پتھر کو موم اور غافلوں اور فاسقوں کو تہجد گزار اور تقویٰ شعار بنالیتے تھے، یہ سب اُن کے اخلاص اور سوزِ دروں کا نتیجہ تھا۔ ان اہل دل بزرگوں اور دردمندوں کے واقعات بھی آپ کے سامنے تھے جن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بجلی کا اثر اور جن کی صحبت کیمیا اور پارس کی تاثیر رکھتی تھی، پنجاب کے ایک باخدا عالم مولانا غلام رسول صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''بڑے عاشق تھے: دلا غافل نہ ہوایک دم، یہ انھیں کے اشعار ہیں، پنجابی تھے، اُن کی اردو بھی ایسی ہی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اُن کے بڑے دردناک اشعار ہیں، صحبت میں یہ اثر تھا کہ جوایک دفعہ پاس بیٹھ جاتا، ساری عمر اُس کی تہجد بھی ناغہ نہ ہوتی چہ جائیکہ (فرض) نماز، ہندوؤں میں جہاں وعظ کردیتے سب کے سب مسلمان ہوجاتے، ایک دفعہ استنجے کے لیے ہاتھ میں ڈھیلا لیے کھڑے تھے، کچھ ہندو عورتیں قضائے حاجت کے لیے بستی کے باہر جنگل کو جارہی تھیں، ڈھیلا زور سے زمین پر پھینکا اور فرمایا الا اللہ، وہ سب ہندو عورتیں لاالہ الااللہ، لاالہ الااللہ پڑھنے لگیں اور گھر تک پڑھتی گئیں اور مسلمان ہوگئیں، ایک شخص مسجد میں مکان کے اوپر سے کوڑا پھینک دیتا تھا، ایک دفعہ لوگوں نے مولانا سے کہا کہ فلاں شخص ہمیشہ مسجد میں مکان کے اوپر سے کوڑا پھینکتا ہے، فرمایا کہ اب کی پھینکے تو مجھے دکھانا، دکھایا بھی، آپ نے فرمایا کب تک پھینکتا رہے گا؟ وہ وہیں سے نیچے کود پڑا اور تائب ہوا، جو ہندو یا عیسائی ایک دفعہ وعظ سن لیتا تھا مسلمان ہوجاتا تھا، اس واسطے انگریز نے زبان بندی کردی تھی اور وعظ سے روک دیا تھا''۔

اسی طرح کئی بار مولانا محمد صاحب فاروقی کے عشق ومحبت اور دردوسوز اور اُن کی تاثیر اور انقلاب انگیز صحبت کے واقعات بیان فرمائے، ایک مرتبہ فرمایا: ''مولانا عبداللہ صاحب کے والد مولانا محمد صاحب بڑے عاشق تھے، بہت خوش الحان تھے۔ ایک بستی میں تشریف لے گئے، لوگ باہر درختوں کے نیچے اکٹھے تھے، وارث شاہ کی ہیر رانجھا ہورہی تھی، خادم سے کہا، آؤ، وہاں چلیں، اُن سے کہا، لاؤ، ہم ہیر سنائیں، ایسا پڑھا کہ دل کو کھینچ لیا، رگوں نے کہا، واہ مولوی صاحب، پھر ہیر کو چھوڑ کر قرآن شریف پڑھ کر وعظ شروع کردیا، سب بستی کی بستی مرید ہوگئی''۔

فرماتے تھے کہ اب یوں جی چاہتا ہے کہ ایک ''لواء الحمد'' بناؤں، ایک اونٹ پر سوار ہوں اور قرآن پڑھ کر وعظ سناؤں اور لوگ پتھراؤ کریں، بس اس کا ذوق آرہا ہے''۔ اسی طرح ایک دوسرے صاحب اخلاق ودرد عالم مولانا احمد الدین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''جس بستی سے گزر جاتے لوگ ایسا چمٹتے کہ ۱۵، ۱۵ روز تک جانے نہ دیتے، ایک دفعہ گنگوہ شریف گئے، حالانکہ وہاں سب پیرزادے تھے، ایسے چمٹے کہ پندرہ دن تک آنے نہیں دیا، پھر بڑی مشکل سے وہاں سے نکلے اور اُن لوگوں نے رورو کر رخصت کیا''۔

ایک دفعہ دیوبند میں بڑا جلسہ ہوا، بڑے بڑے علمائے کرام وہاں موجود تھے، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے اُن کو کھڑا کردیا، میں نے کہا، جی یہ بے چارے ایسے بڑے علماء حضرات کے سامنے کیا کہیں گے؟ مولانا نے فرمایا کہ بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ معمولی سے معلوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن سے بڑے کام لیتے ہیں، چنانچہ تین گھنٹے تک تقریر کی اور بڑا اثر ہوا۔ حضرت تمام کامیاب اور انقلاب انگیز دینی تحریکوں اور اصلاحی

کوششوں کو ان کے داعیوں اور قائدین کے اخلاص، عشق ومحبت اور درد وسوز کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ ”ہر چہ از دل خیزد بردل ریزد“ چنانچہ مرکز نظام الدین دہلی کی عالمگیر دینی دعوت اور اُس کے محیر العقول اثرات ونتائج کو اُس کے داعی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن کے اخلاص ومقبولیت عند اللہ کے حضرت بے حد معتقد تھے) کی اندرونی کیفیات، جذب دل سوز دردمندی اور اخلاص وللہیت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

حضرت کی نظر سے یہ بات مخفی نہ تھی کہ سب ایسے صاحب تاثیر اور صاحب نسبت نہیں ہوسکتے جیسے یہ حضرات تھے اور نہ دین کی خدمت اور وعظ وارشاد کا فریضہ ان غیر اختیاری کیفیات پر منحصر ہے، مگر آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ جماعت کا وجود افراد پر اور اجتماعی اصلاح کا انفرادی اصلاح پر موقوف ہے اور مصلح سے پہلے صالح بننا ضروری ہے۔

مخلص کے لیے خدا کی توفیق

نیز اس بات پر آپ کو بڑا وثوق تھا اور بکرات ومرات یہ بات فرمائی کہ انسان کو اخلاص وہمت کے ساتھ اپنی اصلاح اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوجانا چاہیے اور اپنی طرف سے اپنے لیے کچھ تجویز نہیں کرنا چاہیے، مربی مطلق اور مرشد حقیقی اس کے لیے جس کام کو مناسب سمجھے گا، اس کام پر اس کو لگادے گا اور اُس کی طرف اُس کی طبیعت میں میلان قوی اور اس کے ساتھ مناسبت تامہ پیدا کردے گا اور پھر اس کام میں اُس کی مدد فرمائے گا کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

ایک بار اسی طرح کا سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: ”میرے خیال میں اصل مقصود تو ہر شخص کو اپنے نفس کی اصلاح ہے، فرائض وواجبات وعبادات ادا کرتا رہے اور اللہ اللہ کرتا رہے، اگر اللہ تعالیٰ کو اُس سے کوئی کام لینا مقصود ہوتا ہے تو خود ہی اُس کی طبیعت کو اس طرف متوجہ کردیتے ہیں اور یا بطریق الہام یا بحکم شیخ اس کے کوئی کام سپرد کردیا جاتا ہے، اس وقت اس کے لیے بہتر یہی ہوتا ہے کہ جو کام اس کے ذمہ لگایا گیا ہے اُس کو انجام دے اور جب تک یہ نہ ہو اُس وقت تک انفرادی طور پر اللہ اللہ کرتے رہنا اور عبادات ادا کرتے رہنا ہی اس کے لیے بہتر ہے اور اسی سے انشاء اللہ اُس کی نجات ہوجائے گی۔“ ”فرمایا دیکھو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ ازکی نفس ہیں مگر آپ کو بھی جب تک مامور من اللہ نہیں کیا گیا آپ غار حرا میں تشریف لے جا کر انفرادی طور پر اللہ کی عبادت ہی کرتے رہتے تھے، حالانکہ قوم کی بے اعتدالیاں بُت پرستی، ظلم اور تعدیاں بہت دیکھتے رہتے تھے مگر کسی سے تعرض نہیں کیا اور غاروں میں اکیلے جا کر خدا کی یاد میں لگے رہتے تھے لیکن آخر جب فرشتہ نازل ہوا اور فرمایا بلّغ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ تو آپ غار حرا کو چھوڑ کر کمر باندھ کر کھڑے ہوگئے اور اس فرض کو ادا کیا۔

بہر حال دیگر حضرات کا جو حال بھی ہو میں اُس کے متعلق کچھ نہیں کہتا، میرا تو یہی خیال ہے کہ پہلے انفرادی طور پر اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور اپنی ہی فکر کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کو اگر اس سے کوئی کام لینا منظور ہوگا تو خود اُس کو اُس کی طرف متوجہ کردیں گے۔ پھر اُس کے لیے وہی بہتر ہے اور تبلیغ میں بھی اپنی ہی اصلاح مقصود ہونی چاہیے“۔

ایک دفعہ ذکر کی ترقی اور ذکر کی استقامت کا ذکر کرتے ہوئے اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے ارشاد فرمایا: پوچھا گیا کہ ذکر کی آخر کوئی انتہا بھی ہے؟ فرمایا یہاں تک ذکر کرے کہ روح ذاکر ہوجائے، پوچھا گیا کہ روح کے

ذاکر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ یہ دھیان ہر وقت اسی کی طرف لگا رہے، خواہ دنیا کے کام کر رہا ہو، تجارت کرتا ہو، کھیتی کرتا ہو، مگر خیال ہر وقت اُسی طرف رہے، جیسا کہ کسی کو سر کا درد یا پیٹ میں درد ہو تو اگرچہ باتیں بھی کرتا رہتا ہے، کام بھی کرتا رہتا ہے، لیکن خیال درد کی طرف رہتا ہے۔

پوچھا گیا کہ استقامت کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا، اس قدر پختگی حاصل ہو جائے کہ جب تک ذکر پورا نہ کرے سکون نہ ہو، بے چینی و بے قراری سی رہے اور جب ذکر پورا کر لے تو سکون واطمینان حاصل ہو جائے، طبیعت میں فرحت وسرور محسوس ہو، فرمایا، جب اس درجہ پر پہنچ جائے تو اس کا تمام وجود ہی تبلیغ بن جاتا ہے اور اس سے پہلے مجاہدہ ہوتا ہے، فرمایا یہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو جو کام اس سے لینا ہوتا ہے اُس کی طرف اُس کو متوجہ کر دیتے ہیں، تبلیغ یا تدریس یا تصنیف، جس کام کی طرف اُس کی طبیعت کا رجحان ہوتا ہے، وہی خدمت اس سے لیتے ہیں، بعض اوقات الہام کے ذریعہ سے حکم دیا جاتا ہے، بعض اوقات شیخ حکم دیتا ہے اور کبھی خود بخود طبیعت متوجہ ہو جاتی ہے۔

اس اصلاح باطن اور اخلاص کی دولت کے حصول کے بعد اُس کی دینی خدمتوں اور دینی وعلمی اشغال کا عالم دوسرا ہوتا ہے، خود امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اظہار فرمایا ہے کہ حصولِ یقین واخلاص کے بعد کے اور اس کے پیشتر کے مشاغلِ خدمات میں زمین وآسمان کا فرق تھا، پہلے وہ کام تقاضائے نفس یا ضابطہ کی تکمیل کے لیے کرتے تھے اب حکم الٰہی سے۔

حضرت کا مقصود دینی مشاغل وخدمات سے چھڑانا اور اجتماعی زندگی اور جدوجہد سے نکال کر مستقل طور پر انفرادی اصلاح اور خلوت وعزلت میں بٹھانا نہیں تھا، آپ کا مقصود عوام میں اُن کے درجہ کا اخلاص، تعلق باللہ اور شریعت کی پابندی پیدا کرنا اور خواص (علماء، مدرسین، مقررین، اہل قلم، اہلِ سیاست) میں اُن کے درجہ، اُن کے کام کی نزاکت ووسعت اور ان کے ابتلاء اور فتنوں کے مواقع کے بقدر ان میں اخلاص، تعلق مع اللہ اور ایمان واحتساب وتصحیح نیت کا ملکہ پیدا کرنا تھا، آپ خوب سمجھتے تھے کہ درد واخلاص کے بعد اُن کے علم وذہن کے جوہر زیادہ کھلیں گے اور اُن کی تھوڑی کوششیں کہیں زیادہ بار آور ہونگی۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

جیسا کہ آپ کا ارشاد گذر چکا ہے، اخلاص کے ساتھ مدت تک اللہ کا نام لینے اس کے راستہ میں اپنی ہستی کو فنا کرنے اور ایک صادق ومخلص بندہ کے ساتھ وابستہ رہنے اور اُس کی اطاعت وانقیاد وخدمت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے وقت کی ایک اہم ترین خدمت آپ کے سپرد فرمائی اور بظاہر ایک گوشہ میں بٹھا کر قلوب ونفوس کی تربیت، حصول اخلاص واصلاح اخلاق کی دعوت اور معرفت ویقین اور عشق ومحبت کی دولت کو عام کرنے کا کام سپرد کیا کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے اور درد وخلوص والوں سے درد خلوص ملتا ہے:

اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے | شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

☆☆☆